ایک عہد ساز فسوں گر

چار نسلوں کے ادبی ذوق کی آب یاری کرنے والے اردو جاسوسی ادب کے مقبول ترین مصنف

ابن صفی کی شخصیت اور فن کے نئے پہلو سامنے لانے والی خصوصی تحریر

شفیع موسیٰ منصوری

تصاویر: اشرف میمن

یہ ستر کی دہائی کا کراچی ہے۔ رنچھوڑ لائن کے علاقے بوہرہ پیر میں واقع 'ہلال (آنہ) لائبریری' کے بند شٹر کے پاس کھڑے درجنوں افراد بے چینی سے صدیق بھائی کی راہ تک رہے ہیں۔ شام کے چار بجنے میں ابھی چند منٹ باقی ہیں، لیکن یہ چند منٹ وہاں کھڑے لوگوں کے لیے صدیوں کے برابر ہیں۔ اسی اثنا میں گلی کے نکڑ پر صدیق بھائی نمودار ہوتے ہیں۔ شٹر اٹھتے ہی لوگوں کا ریلا دکان نما چھوٹی سی لائبریری میں در آتا ہے۔ لائبریری میں موجود ہر فرد 'جاسوسی دنیا' کے نئے ناول کی صدا لگا کر صدیق بھائی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پرانے تعلقات، رشتے داریاں اور 'پہلے میں آیا تھا' کے جملوں اور حوالوں سے ناول حاصل کرنے کی تگ و دو جاری ہے۔ اس ہجوم بے کراں میں پھنسے منحنی سے صدیق بھائی ہر ایک کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کا ہر نیا ناول صدیق بھائی کے لیے ایک کڑا امتحان لے کر آتا ہے۔ ان ناولوں کے حصول کے لیے لوگ دوگنا کرایہ ادا کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ صدیق بھائی کے پاس نئے ناول کی تین جلدیں ہیں اور طلب گار درجنوں! ایسے میں حل یہ نکالا جاتا ہے کہ جو شخص ناول وہیں بیٹھ کر ختم کرے گا، اُسے سب سے پہلے پڑھنے دیا جائے گا۔ لوگ اس پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ تین افراد دکان پر بیٹھے ناول پڑھ رہے ہیں اور باقی ان کے سروں پر سوار ہیں۔

صدر کے ریگل چوک پر واقع بک اسٹال کے مالک محمد انور کو بھی اسی قسم کی صورت حال کا سامنا ہے۔ انور کے پاس جاسوسی دنیا کے تیس ناولوں پر مشتمل بنڈل آتے ہی فروخت ہو گیا ہے اور وہ ایجنٹ سے دوسرا بنڈل خریدنے کی فکر میں ہیں۔

یہ ماجرا ہے اردو کے عظیم جاسوسی ناول نگار ابن صفی کے ناولوں کی مقبولیت کا، جنھوں نے پچاس سے اسی کی دہائی تک ایک دنیا کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا اور آج بھی اس فسوں گر کے طلسم سے لوگ نکل نہیں پائے۔ ان کا پہلا ناول 1952 میں منظر عام پر آیا اور 59 برس گزرنے کے بعد بھی ان کے ناولوں کی اشاعت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

ابن صفی انڈیا کی ریاست اتر پردیش کے شہر الٰہ آباد کے ایک چھوٹے سے قصبے نارا میں 26 جولائی 1928 کو پیدا ہوئے۔ والدین نے ان کا نام اسرار احمد رکھا۔ پرائمری کی تعلیم انھوں نے نارا کے مجیدیہ اسلامیہ ہائی اسکول سے حاصل کی۔ بعد ازاں، ان کا خاندان نارا سے الٰہ آباد منتقل ہوگیا، جہاں ڈی اے وی اسکول سے انھوں نے میٹرک پاس کیا۔ میٹرک کے دوران انھیں کیمونسٹوں کی صحبت حاصل ہوئی اور انھوں نے معاشرتی مسائل پر شاعری شروع کردی۔ حکیم احسان علی مرحوم ابن صفی کے پرنانا تھے، جنھوں نے طب یونانی پر فارسی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی۔ ان کے والد صفی اللہ کو بھی مطالعہ کا شوق تھا، جس کی وجہ سے گھر ایک لائبریری کا سماں پیش کرتا تھا۔ چناں چہ ابن صفی نے آٹھ سال کی عمر میں طلسم ہوش ربا کی ساتوں جلدیں پڑھ ڈالیں۔ ابن صفی ساتویں جماعت کے طالب علم تھے، جب انھوں نے اپنی پہلی کہانی "ناکام آرزو" لکھی۔ یہ کہانی ہفت روزہ "شاہد" میں شائع ہوئی، پھر وقفے وقفے سے اس رسالے میں ان کی کئی کہانیاں شائع

ہوتی رہیں۔ اس وقت ان کا طرزِ تحریر رومانوی ہوا کرتا تھا۔ اس دوران انھوں نے الٰہ آباد کے مشہور شاعر 'نوح ناروی' کی نسبت سے اسرار ناروی کے نام سے شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ 1942 میں برصغیر میں "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تیرہ سالہ بچے نے اس موقع پر ایک نظم کہی، جس کے بول تھے۔

اب چھوڑ بھی دو میرا دامن ، للہ نہ روکو، جانے دو
وہ دیکھو افق کے سینے پر لہرائے شہیدوں کے دامن
بن جائے گا لالہ زار وطن کچھ دیر میں شہدا کا مدفن

ابن صفی نے ایونگ کرسچین کالج، الٰہ آباد سے انٹر پاس کیا۔ انٹر سال اول میں انھوں نے پہلی بار کالج کے سالانہ مشاعرے میں حصہ لیا۔ دوسرے سال وہ کالج کی ادبی سوسائٹی کے صدر چن لیے گئے۔ 1947 میں انھوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اس دوران تقسیم کے فسادات شروع ہوگئے اور یونیورسٹی میں ایک طالب علم قتل ہوگیا۔ ابن صفی کے بزرگوں نے ان کا یونیورسٹی جانا بند کروا دیا۔ تقسیم کے بعد 1948 میں حالات کچھ بہتر ہوئے تو انھوں نے آگرہ یونیورسٹی سے بی اے مکمل کیا۔ وہ 1949-52 تک الٰہ آباد کے اسلامیہ اسکول اور پھر یادگار حسینی اسکول میں معلم بھی رہے۔

1948 میں گاندھی جی کے قتل پر ابن صفی نے ایک نظم لکھی جس کا پہلا شعر تھا۔

لوئیں اداس، چراغوں پہ سوگ طاری ہے
یہ رات آج کی انسانیت پر بھاری ہے

پچھلے سال پاکستان کے ایک نجی ٹی وی چینل نے اس نظم سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گاندھی، ابن صفی کے آئیڈیل تھے اور ان کی موت کی خبر ان پر بجلی بن کر گری تھی۔ ابن صفی کے بیٹے احمد صفی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں، "ابو سمجھتے تھے کہ گاندھی کو پاکستان کی حمایت میں مارا گیا تھا، کیوں کہ گاندھی نے پاکستان کو اس کا اثاثہ دینے کے لیے مرن برت رکھا تھا۔ گاندھی کی شخصیت کے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ابو نے ان کی موت پر یہ نظم کہی تھی۔ اگر ان کا

کوئی آئیڈیل ہوتا تو وہ یقیناً قائداعظم ہوتے، جن کی بعض عادتیں ان کے پسندیدہ کردار فریدی' سے ملتی جلتی تھیں۔ قائداعظم بھی فریدی کی طرح قانون کا احترام کرتے تھے، غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرتے تھے اور لباس، سواری، کھانے پینے اور رکھ رکھاؤ کے معاملات میں بڑے نفاست پسند تھے۔"

1948 میں اے ایچ وھیلر اینڈ کمپنی کے جنرل منیجر اور مشہور ادیب سیّد حسین حیدر کے صاحب زادے عباس حسینی نے جب الٰہ آباد سے ماہ نامہ 'نکہت' نکالا تو اس رسالے کے ابتدائی ارکان ادارت میں ابن صفی بھی شامل تھے، جو رسالے کے شعری حصے کے مدیر بنائے گئے۔ دیگر ارکان میں ڈاکٹر مجاور حسین (ابن سعید)، شکیل جمالی، راہی معصوم رضا، اشتیاق حیدر، قمر جائسی، نازش پرتاب گڑھی، وغیرہ شامل تھے۔

اس رسالے کے لیے ابن صفی نے تجرباتی طور پر 'طغرل فرغان' اور 'سنکی سولجر' کے نام سے طنز و مزاح پر مشتمل مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ جون 1948 میں "نکہت" میں ان کی پہلی کہانی 'فرار' شایع ہوئی۔ بعد ازاں، وہ جاسوسی ادب کی جانب متوجہ ہوئے۔

اپنے ناول 'لاشوں کا بازار' میں ابن صفی اپنی ناول نگاری کی شروعات کے بارے میں لکھتے ہیں، "اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمیوں کی محفل میں کتابوں اور مصنفوں کی مقبولیت کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ ایک صاحب بولے کہ جنسی لٹریچر کے علاوہ کسی کی مارکیٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بس اُسی دن سے دھن سوار ہوگئی کہ جنسی لٹریچر کے اس سیلاب کو روکنا چاہیے۔ چناں چہ 'جاسوسی دنیا' کی داغ بیل ڈال دی۔"

'جاسوسی دنیا' کا پہلا ناول 'دلیر مجرم' مارچ 1952 میں 'نکہت' میں شایع ہوا۔ ان ہی دنوں انھوں نے اپنا نیا قلمی نام اپنے والد صفی اللہ کے نام پر ابن صفی رکھ لیا۔

اس ناول کی اشاعت سے پہلے اردو کے جاسوسی ادب کا قاری صرف تیرتھ رام فیروز پوری کے مغربی ناولوں کے اردو تراجم یا ظفر عمر کے چند ناولوں سے بہلا کرتا تھا۔ ظفر عمر نے فرانسیسی ناول نگار میورس لیبلانک (Maurice Leblanc) کے ناولوں کو ہندوستانی ماحول میں پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس لحاظ سے ابن صفی کو بجا طور پر اردو کا پہلا جاسوسی ناول نگار کہا جاسکتا ہے، جس کے ناول کے کردار اُس کے اپنے تخلیق کردہ تھے۔ اگرچہ ابن صفی نے بھی 'جاسوسی دنیا' کے ابتدائی پانچ ناول دلیر مجرم، پراسرار اجنبی، رقاصہ کا قتل، ہیرے کی کان اور خونی پتھر کا مرکزی خیال مغربی ادب سے مستعار لیا تھا، جب کہ کہانی کے کردار اور مکالمے ان کے اپنے تھے۔ ان کے ناول 'خوف ناک ہنگامے' کا پروفیسر دُرانی، 'پہاڑوں کی ملکہ' کی سفید رانی اور 'گوریلا' جیسے چند کرداروں کے علاوہ ابن صفی کے ناولوں کے دیگر کردار اور مرکزی خیال اُن کے اپنے زرخیز ذہن کی پیداوار تھے۔ اس راز سے پردہ کسی ادبی نقاد نے نہیں اُٹھایا، بل کہ ابن صفی نے خود جاسوسی دنیا کے پلاٹینیم نمبر "زمین کے بادل" کے پیش لفظ میں ایمان داری سے اس بات کا اقرار کیا ہے۔ یہ ناول 1958 میں شایع ہوا تھا۔

دل کش اور سحر انگیز انداز بیان سے عبارت 'دلیر مجرم' نے اردو کے جاسوسی ادب کے قارئین کو چونکا دیا۔ اس ناول کا مرکزی خیال وکٹر گن (victor Gunn) کے ناول آئرن سائٹ لون ہینڈ (Ironside's Lone Hand) سے لیا گیا تھا۔ اس ناول کی مقبولیت کے بعد ابن صفی نے مُڑ کر نہ دیکھا۔ اس فسوں گر کے قلم سے ایک سے بڑھ کر ایک شاہ کار تخلیق ہوتا چلا گیا۔ ہر نیا ناول ابن صفی سے خوب سے خوب تر کا تقاضا کرنے لگا۔ چناں چہ انھوں نے اپنی جاسوسی ناول نگاری سے پورا پورا انصاف کرنے کے لیے شاعری کو خیرباد کہہ دیا۔ طنزیہ کالموں کا سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔

اُس وقت ابن صفی کے ناول کی قیمت نو آنے ہوا کرتی تھی۔ ناول کے سرورق مصطفٰی مرزا، ودیپک، مشیر صدیقی، شیلے آرٹسٹ، ولایت احمد، اور صدیقی آرٹسٹ ڈیزائن کیا کرتے تھے۔ 1952 میں انڈیا میں تلنگانہ تحریک زور پکڑ چکی تھی۔ چناں چہ ترقی پسندوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگی۔ ابن صفی کا اُٹھنا بیٹھنا ترقی پسندوں کے ساتھ تھا۔ چناں چہ ان کے نام کا وارنٹ گرفتاری بھی نکل آیا۔ اُن کے دوستوں نے انھیں خفیہ طور پر الٰہ آباد سے بمبئی پہنچایا اور پھر وہاں سے بحری جہاز کے ذریعے پاکستان روانہ کردیا۔ ان کی والدہ اور چھوٹی بہن بھی اس سفر میں ان کے ہم راہ تھیں۔ ابن صفی کی پاکستان ہجرت سے قبل ان کے والد کا تبادلہ کراچی میں ہوگیا تھا، اس لیے وہ ان سے پہلے پاکستان آگئے تھے اور کراچی میں واقع ایک کمپنی کے ویئرہاؤس میں بہ طور انچارج تعینات تھے۔

کراچی آنے کے بعد ابن صفی نے لالوکھیت (موجودہ لیاقت آباد) کے سی ون علاقے میں رہائش اختیار کی۔ اُن کی اہلیہ اُم سلمٰی خاتون کے والدین محمد امین احسن اور ریاض فاطمہ بیگم کا انتقال اُن کے بچپن میں ہوگیا تھا اور اُن کی پرورش ان کے پھوپھا ظہیر احسن نے کی تھی، جو فوج میں اکاؤنٹینٹ تھے اور قیام پاکستان کے فوراً بعد راول پنڈی ہجرت کرکے جی ایچ کیو میں تعینات ہوگئے تھے۔ 1953 میں ابن صفی کی اُم سلمٰی سے دوسری شادی ہوئی، جو راول پنڈی میں انجام پائی۔ ان کی پہلی شادی انڈیا میں اُم سلمٰی کی خالہ زاد بہن فرحت خاتون سے ہوئی تھی، جن کا شادی کے کچھ عرصے بعد انتقال ہوگیا تھا۔ اُم سلمٰی سے ابن صفی کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

جاسوسی ناول نگاری میں اکرم الٰہ آبادی، اظہار اثر اور مسعود جاوید، ابن صفی کے ہم عصر تھے۔ یہ تینوں حضرات ابن صفی کے آگے زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے۔ ہجرت کے تین سال بعد ستائیس سالہ ابن صفی کی شہرت کا ڈنکا چار سو بجنے لگا تھا۔ ان دنوں جاسوسی دنیا کی 'شعلہ سیریز' نے تہلکہ مچادیا تھا۔ کچھ عرصے بعد انھوں نے 'عمران' کا معرکہ آرا کردار تخلیق کیا۔ عمران سیریز کا پہلا ناول 'خوف ناک عمارت' اگست 1955 میں شایع ہوا۔ واضح رہے کہ اس ناول کو ہندوستان کے ایک مشہور اشاعتی ادارے 'رینڈم ہاؤس' نے رواں سال The house of Fear کے عنوان سے انگریزی میں شایع کیا ہے، جس کا ترجمہ پاکستانی مصنف بلال تنویر نے کیا ہے۔ انڈیا کے بلافٹ پبلیکیشنز کے مدیر راجیش کھنا نے بھی ابن صفی کی جاسوسی دنیا کے چار ناول جو 'ڈاکٹر ڈریڈ' کے نام سے مشہور ہیں، انگریزی میں شایع کیے ہیں۔ ان ناولوں کے تراجم انڈیا کے نام ور ادیب شمس الرحمٰن فاروقی نے کیے ہیں۔

اکتوبر 1957 میں ابن صفی نے لالوکھیت میں اپنے اشاعتی ادارے 'اسرار پبلیکیشنز' کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے سے جو پہلا ناول شایع ہوا وہ 'جاسوسی دنیا' کا 'ٹھنڈی آگ' تھا۔

عمران کا کردار جاسوسی دنیا کے کرنل فریدی سے بالکل مختلف تھا۔ وجیہہ عمران کے چہرے پر ہمہ وقت حماقتوں کے ڈونگرے برستے رہتے ہیں اور وہ خود کو 'احمق اعظم' کہلوانا پسند کرتا ہے۔ لیکن جب بھی عمران خاص مواقع پر اپنی ٹون بدلتا ہے تو اس کے ساتھی بھی اس کے چہرے

کی سنجیدگی دیکھ کر کانپ جاتے ہیں۔ عمران جیسا اچھوتا کردار ایشیا تو کیا مغرب کے کسی ادیب سے بھی آج تک تخلیق نہیں ہو سکا۔

ابن صفی کے ناول کے ہیرو کی طرح ان کے تخلیق کردہ ویلینوں نے بھی خاص شہرت پائی۔ ان میں 'سنگ ہی' کا کردار جاسوسی ادب پڑھنے والوں کے لیے اجنبی نہیں رہا۔ ابن صفی نے اسے پہلی بار اپنے ناول 'نیلی لکیر' میں متعارف کروایا اور پھر وہ جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے متعدد ناولوں میں سامنے آتا رہا۔ بام مچھلی کی طرح لمبا چینی باشندہ، جو آکٹوپس کی طرح اپنے مخالف کے جسم سے لپٹ کر اس کا دم گھونٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بندروں کی طرح اُچھل کود کر کے خود کو گولیوں کی زد سے بچانے کا ماہر ہے۔ ابن صفی کے تخلیق کردہ دیگر ویلینوں میں تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا پہلی بار 'کالے چراغ' میں متعارف ہوئی۔ اس کے علاوہ دیگر ویلینوں میں ڈاکٹر ڈریڈ، فنچ، بوغا، ہیمبرگ دی گریٹ، نانوتہ، گیرالڈ شاستری اور قلندر بیابانی نے خاص شہرت پائی۔

ابن صفی اپنے ناول کے نام خود تجویز کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے۔ تاہم انھوں نے عمران سیریز کے چوالیسویں ناول کا نام اپنی دو سالہ بھانجی کے مشورے پر رکھا تھا۔ ہوا یہ کہ ایک دن ابن صفی کی بہن نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے نئے ناول کا نام کیا رکھیں گے؟ ابن صفی نے اپنی گود میں بیٹھی بھانجی سے پوچھا کہ کیا نام رکھا جائے؟ بچی کے منہ سے چند بے معنی الفاظ ادا ہوئے، 'لوبو لی لا' یہ سن کر ابن صفی فوراً بولے، "بس میرے نئے ناول کا نام یہی ہوگا، لوبو لی لا!"

ابن صفی کے ناولوں میں جاسوسی کے اسرار و رموز کے ساتھ فلسفہ، نفسیات، اخلاقیات اور حب الوطنی کے حوالے جا بہ جا ملتے ہیں۔ چناں چہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ابن صفی نے اپنے ناولوں کے ذریعے نوجوان نسل کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کی۔ وہ جاسوسی کے ساتھ اپنے قاری کو معاشرتی برائیوں سے آگاہ کرتے ہیں اور عالمی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً عمران سیریز کے ناول 'زہریلا امن' کا اقتباس ہے،

"لیکن اس ملک (تنزانیہ) کے لوگ تو برطانیہ کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔' شیپر ڈ نے کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن اب یہ لوگ اتنے بھولے بھی نہیں ہیں کہ متبادل دام کو نہ پہچان سکیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اب ان پر اقتصادی امداد کا جال پھینکا گیا ہے۔ اپنے سرمائے کی زنجیروں میں انھیں جکڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔" عمران نے کہا۔

عمران سیریز کے ناول 'آدھا تیتر' اور 'آدھا بٹیر' میں ریمنڈ ڈیوس سے ملتا جلتا کردار (ڈاوڈن) نظر آتا ہے اور نیپال کے ولی عہد کے ہاتھوں 2001 میں شاہی خاندان کے افراد کے قتل جیسے واقعے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جب کہ عمران سیریز، تین تنگی سلسلے کے ناولوں میں امریکا کا لوگوں کو قیدی بنا کر گوانتانامو بے پہنچانے جیسی صورت حال نظر آتی ہے۔

ابن صفی نے محض ذہنی عیاشی یا وقت گزاری کے لیے جاسوسی ادب نہیں لکھا۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے معاشرے میں پھیلی توہم پرستی کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ عمران سیریز کے ناول 'خطرناک ڈھلان' میں لکھتے ہیں، "تنگ نظری، توہم پرستی اور قدامت پرستی سے پیچھا چھڑائے بغیر بقیہ دنیا کے ساتھ نہیں چل سکو گے۔"

ابن صفی کی جاسوسی دنیا کے بعض ناولوں میں کرنل فریدی ایسے پراسرار واقعات سے پردہ اُٹھاتے ہوئے اس کی کوئی نہ کوئی سائنسی توجیہ پیش کرتا ہے یا اس کے پیچھے چھپے اصل حقائق سے آگاہ کرتا ہے، جسے لوگوں نے آسیب یا اس قسم کے دوسرے ناموں سے منسوب کر رکھا ہوتا ہے۔ اس طرح ابن صفی اپنے قاری کے اندر توہم پرستی کے خلاف سائنٹفک انداز فکر کی تحریک پیدا کرنے میں بڑی حد تک کام یاب رہے ہیں۔ جاسوسی دنیا کے ناول چیختے دریچے، پراسرار کنواں، عجیب آوازیں، آتشی پرندہ اور برف کے بھوت وغیرہ میں ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کی نفی کی گئی ہے۔

عام طور پر جاسوسی ناول کا ذکر سنتے ہی ذہن میں شراب اور شباب کا تصور اُبھرنے لگتا ہے۔ کہانی کا ہیرو جیمز بانڈ کی طرح ماہ جبینوں میں گھرا جام لنڈھاتا دکھائی دیتا ہے۔ ابن صفی کے ناول کے ہیرو اس قسم کی عیاشیوں سے قطعی 'محروم' نظر آتے ہیں۔ اپنے ناول 'لاشوں کا بازار' کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں، "نہ میں افلاطونی عشق کا قائل ہوں اور نہ جنسی بے راہ روی کا۔ لہٰذا میرے ناولوں سے نہ لیلیٰ مجنوں کی کہانیاں ملتی ہیں اور نہ کسی ڈان ژوان کی داستان۔" اردو زبان کی جرمن اسکالر ڈاکٹر کرسٹینا آئسٹر ہیلڈ ابن صفی کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں، "ابن صفی کی جس بات سے میں

مدیر 'نکہت' عباس حسینی بھارتی وزیر داخلہ لعل بہادر شاستری کو ابن صفی کے ناول 'ڈیڑھ متوالے' کی پہلی جلد پیش کر رہے ہیں

سب سے زیادہ متاثر ہوئی، وہ یہ ہے کہ ان کے کردار فریدی اور عمران، کبھی کسی عورت کی جانب نگاہِ بد پھیرتے دکھائی نہیں دیتے۔ ان کے جاسوسی ناولوں کو محض تفریحی ادب نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے ناولوں میں فکری و ذہنی تربیت بھی پوری طرح موجود ہوتی ہے۔"

ابن صفی نے اپنے بعض ناولوں میں سیاسی نظریات سے بحث کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے ناول 'دھواں ہوئی دیوار' کے پیش لفظ میں وہ لکھتے ہیں: "اسلام کے علاوہ کوئی اِزم حرفِ آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، لیکن اس کے لیے انفرادی طور پر ایمان دار بننا پڑے گا، جو بے حد مشکل کام ہے۔"

ابن صفی اپنی تحریر میں مولویوں سے بھی شاکی نظر آتے ہیں۔ انھیں اس بات کا دکھ ہے کہ مذہبی راہ نما قوم کی راہ نمائی کرنے کے بہ جائے اپنا اُلو سیدھا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے ناول 'کالی کہکشاں' کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے: "کیا تمھارے پیغمبر کا پیغام یہاں تک نہیں پہنچا۔" "پیغام پہنچانے والوں کو زیادہ تر اپنی پوجا کرانے کی فکر رہتی ہے۔ اس لیے وہ صرف اختلافی مسائل پر ایک دوسرے کو للکارتے رہتے ہیں۔"

ابن صفی مغرب کے جاسوسی ناول نگاروں کے مقابلے میں زیادہ وسائل نہیں رکھتے تھے، نہ ملکوں ملکوں سیر و تفریح کی 'عیاشی' کے متحمل ہوسکتے تھے۔ اس کے باوجود ان کے ناولوں میں جغرافیہ سے متعلق درست معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً جیمز بانڈ ڈبل او سیون کے خالق این فلیمنگ صحافی اور نیول انٹیلی جنس آفیسر بھی تھے۔ انھوں نے دوسری جنگ عظیم میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس لحاظ سے ان کے پاس جیمز بانڈ کا کردار تخلیق کرنے کے لیے وسیع مشاہدہ اور تجربہ موجود تھا۔ ایک اور برطانوی جاسوسی ناول نگار John Le Carre پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں برطانیہ کی خفیہ ایجنسیوں M15 اور M16 کے لیے کام کرتے تھے۔ چناں چہ وہ بھی جاسوسی نیٹ ورک سے متعلق وسیع تر معلومات اور جاسوسی کے اسرار و رموز سے واقفیت کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر جاسوسی ناول نویسی کے میدان میں اُترے اور کام یابی کے جھنڈے گاڑتے چلے گئے۔ جون لی اپنے تیسرے ناول کی مقبولیت کے بعد خفیہ اداروں سے ریٹائرمینٹ لے کر کُل وقتی جاسوسی ناول نگار بن گئے تھے۔ ایک اور برطانوی ناول نگار رائیڈر ہیگرڈ نے اگرچہ جاسوسی ادب نہیں لکھا، لیکن نوآبادیاتی دور میں وہ چھے برس تک سرکاری آفیسر کے طور پر جنوبی افریقا کے مختلف شہروں میں تعینات رہے۔ چناں چہ ان کے ناولوں میں زیادہ تر افریقا سے متعلق ان کے تجربات کا عکس جھلکتا ہے۔ اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر وہ فکشن میں "گم شدہ دنیاؤں" جیسی مقبول طرز تخلیق کرنے میں کام یاب رہے۔

ابن صفی کا معاملہ ان ناول نگاروں سے بالکل برعکس ہے۔ انھوں نے ساری زندگی سوائے پاکستان ہجرت کرنے کے کسی اور ملک کا سفر نہیں کیا اور نہ ہی وہ پولیس یا کسی خفیہ ادارے سے وابستہ رہے۔ اس کے باوجود ان کے ناولوں میں جاسوسی کی نت نئی تیکنیکیں اور جغرافیہ سے متعلق معلومات پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ اُن کی ساری زندگی ان ہی صحراؤں کی خاک چھانتے گزری ہو۔ ان کے ناول ظلمات کا دیوتا، زمین کے بادل، ہلاکت خیز، زہیرا مِن، شوگر بینک، بمبو کیسل اور برف کے بھوت جاسوسی کے ساتھ مہم جوئی کے شاہ کار ہیں۔ معلومات حاصل کرنے کے جدید ذرائع کی عدم موجودگی اور جہاں گردی کیے بغیر ابن صفی یہ ساری معلومات کہاں سے حاصل کرتے تھے؟ ابن صفی کی بیٹی نزہت سلمان کا ایک جملہ اس سوال کی وضاحت کے لیے کافی ہے: "ابو کو ہر قسم کے مطالعے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور ہمارے گھر میں کتابیں ہی کتابیں نظر آیا کرتی تھیں۔"

ابن صفی کا گھر کسی لائبریری سے کم نہ تھا۔ وہ اکثر نئی اور پرانی کتابوں کے بازار کا چکر لگایا کرتے اور جو کتاب انھیں دل چسپ لگتی، اُسے خرید لیا کرتے تھے۔ ان کو ہر طرح کے مطالعے کا شوق تھا۔ وہ اگاتھا کرسٹی، جیمز ہیڈلے چیز، ایلسٹر میکلین اور انگریزی مزاح نگار اسٹیفن لیکاک کو شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ اردو شعراء میں انھیں میر تقی میر، میرا جی اور فیض احمد فیض سے خاص لگاؤ تھا۔ موسیقی میں روشن آرا بیگم، طلعت محمود، حبیب ولی محمد اور مہدی حسن کی گائی ہوئی غزلیں پسند کرتے تھے۔ موسیقی کی باریکیاں، نفسیات کی پیچیدگیاں اور فلسفے کے مسائل سے لے کر سانپوں اور کتوں کی نسلوں کے بارے میں معلوماتی کتب تک ان کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں۔ ان کے ناولوں میں اکثر ان چیزوں کے حوالے ملتے ہیں۔ ناول نگاری کے علاوہ وہ ایک اچھے مصور بھی تھے اور ستار بجانے کا شوق رکھتے تھے۔

نزہت سلمان اپنے والد کی ان خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں: "ابو بہت اچھے مصور تھے۔ وہ اپنے ناولوں کے مسودات کے کونے پر منٹوں میں بڑا خوب صورت اسکیچ بنا دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کچھ عرصہ ستار بجانے کی مشق بھی کی تھی اور اس سلسلے میں انھوں نے ستار خرید کر ایک ستار نواز کی خدمات بھی حاصل کی تھیں۔ تاہم، کچھ عرصہ بعد انھیں احساس ہوا کہ یہ کام ان کے بس کا نہیں ہے۔"

ابن صفی خود کسی محقق سے کم نہ تھے۔ سائنس سے متعلق اگر کوئی چیز پوچھنی ہوتی تو اپنے بیٹوں سے بلا جھجک پوچھ لیا کرتے تھے، جو اُن دنوں سائنس اور انجینیرنگ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کراچی میں واقع مختلف سفارت خانوں سے بھی رابطے میں رہتے تھے اور انھیں خطوط لکھ کر ان کے ملکوں سے متعلق معلوماتی کتابیں منگواتے رہتے تھے۔ وہ تحقیق کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ 1976 میں ابن صفی Shout at the Devil صرف اس لیے سینما دیکھنے گئے کہ یہ فلم تنزانیہ پر بنی تھی اور ان دنوں وہ عمران سیریز کا ناول 'ہلاکت خیز' لکھ رہے تھے، جس کی کہانی تنزانیہ سے متعلق تھی۔ اس ناول میں تنزانیہ کے شہر موانزا، اروشاہ، قصبے کی گوما، سیرنگیٹی نیشنل پارک، گریٹ رفٹ ویلی، جھیل ٹانگانیکا اور کلیمنجارو پہاڑ کا ذکر ملتا ہے۔ ابن صفی کہانی کے پلاٹ کی طرح جغرافیہ کو بھی اہمیت دیتے تھے اور کسی جگہ سے متعلق پوری تحقیق کے بعد اس پر قلم اُٹھاتے تھے۔

اس بات کا ایک اور ثبوت ان کے عمران سیریز کے ناول آپریشن ڈبل کراس، خیر اندیش، پوائنٹ نمبر بارہ اور ایڈلاوا ہیں، جن میں اٹلی کے مشہور شہروں، سڑکوں، جھیلوں اور دیگر جگہوں کا ذکر ملتا ہے۔

ابن صفی کو انگریزی فلمیں دیکھنے کا شوق تھا۔ ان کی سینما بینی سے متعلق اُن کے قریبی دوست شاہد منصور پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ابن صفی نے فلم 'بن حر' دیکھنے کی فرمائش کی تھی۔ وہ فلم انھیں بہت اچھی لگی تھی۔ ایک بار ہم پنجابی فلم دیکھنے گئے۔ جب ہیروئن نے کھیت میں اُچھل اُچھل کر گانا شروع کیا تو ابن صفی بہت محظوظ ہوئے تھے۔ فلم 'ڈریکولا' میں عبید اللہ علیم بھی ہمارے ساتھ تھے۔ وہ فلم اتنی بور تھی کہ ہم تینوں آدھی فلم دیکھنے کے بعد گھر آگئے۔"

اکیاسی سالہ شاہد منصور نے 1950 میں پاکستان ہجرت کرکے لالوکھیت میں رہائش اختیار کی تھی۔ اُس وقت یہاں نہ پکی سڑک تھی اور نہ پانی بجلی کی کوئی سہولت موجود تھی۔ صدر سے تین ہٹی پہنچنے کے بعد ندی میں اُتر کر لالوکھیت آنا پڑتا تھا۔ لیاقت آباد پولیس اسٹیشن کے قریب ایک میدان تھا، جہاں 'ادریس ہوٹل' کے نام سے ایک نیا ہوٹل کھلا تھا۔ اس ہوٹل میں ہمہ وقت بیٹری سے چلنے والا ایک بڑا سا ریڈیو رکھا ہوتا۔ لوگ گانے اور خبریں سُننے کے لالچ میں وہاں چائے پینے آیا کرتے تھے۔ شاہد منصور کی ابن صفی کے ساتھ پہلی ملاقات اسی ہوٹل میں ہوئی تھی۔

اس ملاقات کا احوال سُناتے ہوئے وہ کہتے ہیں: "میری ابن صفی سے پہلی ملاقات بڑے ڈرامائی انداز میں ہوئی۔ ادریس ہوٹل کی ایک میز ابن صفی، پروفیسر محمد علی اور مصطفیٰ زیدی کے لیے مخصوص ہوا کرتی تھی۔ یہ حضرات ہر شام یہاں جمع ہوتے اور ادبی مسائل پر گفت گو کرتے تھے۔ میں دوسری میز پر بیٹھا بڑی دل چسپی سے اُن کی باتیں سنتا تھا۔ اُس زمانے میں منٹو نے میرا جی پر ایک مضمون لکھا تھا۔ اُس دن وہ لوگ میرا جی کے متعلق جو باتیں کر رہے تھے، میرے خیال میں وہ غلط تھیں۔ چناں چہ میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ میرا جی سے متعلق صحیح بات یہ ہے۔ یہ کہہ کر میں اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ خاموشی سے اُٹھے اور چلے گئے۔ اس کے بعد وہ تینوں دو تین دن تک نظر نہیں

آئے۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ لوگ مجھے سی آئی ڈی والا سمجھ بیٹھے تھے۔ چوں کہ ان دنوں میرے پاس سی آئی ڈی والوں کی خاص نشانی 'کالا ڈنڈا' ہوا کرتا تھا، جو میں کتّوں کو اپنے سے دور رکھنے کے لیے ساتھ رکھتا تھا۔ حکومت کی طرف سے اُن دنوں ترقی پسندوں پر سخت نظر رکھی جا رہی تھی، اس لیے ابن صفی اور دیگر احباب یہ سمجھے کہ میں ان پر نظر رکھنے کے لیے وہاں بیٹھتا ہوں۔ بعد میں ان کی غلط فہمی دور ہوئی اور میرا ابن صفی کے یہاں آنا جانا شروع ہوگیا۔"

شاہد منصور ایک دل چسپ انکشاف کرتے ہوئے کہتے ہیں، "ایک دن مجھے گمان ہوا کہ جاسوسی دنیا کا کردار قاسم میں ہی ہوں۔ جب میں نے اس بات کا اظہار ابن صفی سے کیا تو وہ بہت ہنسے اور پوچھا کہ تم نے کیسے پکڑا، میں نے اس کردار کو اتنا مختلف کردیا تھا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے بعض جملے تم نے قاسم کے منہ سے کہلوا دیے ہیں۔"

ابن صفی لالو کھیت کے مکان میں 1953-57 تک قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد وہ ناظم آباد دو نمبر میں منتقل ہوگئے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری دن اسی مکان میں گزارے۔ 1960 میں انھوں نے ماہ نامہ 'جاسوسی دنیا' نکالا۔ ابھی اس میگزین کے چار ایڈیشن شایع ہوئے تھے کہ کام کی زیادتی کے باعث ان پر شیزوفرینیا کا حملہ ہوا۔ اس بیماری میں وہ کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔ گھر کے دالان میں ٹہلتے رہتے یا خاموش بیٹھے رہتے، مخاطب کرنے پر انتہائی مختصر جواب دیتے۔ ان کی یہ ذہنی کیفیت تین سال تک برقرار رہی اور اس عرصے میں وہ کچھ نہ لکھ سکے۔

ان کی بیماری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے انڈیا اور پاکستان کے متعدد ناول نگاروں نے کرنل فریدی اور عمران کے کرداروں پر شب خون مارا اور بازار میں 'جعلی صفیوں' کی لائن لگ گئی۔ عوام کو دھوکا دینے کے لیے کوئی 'این صفی' کے نام سے لکھ کر 'این' میں موجود ایک نقطے کو انتہائی باریک اور دوسرے کو واضح لکھ کر اُسے 'ابن' دکھانے کی بے ڈھنگی کوششوں میں لگا ہوا تھا تو کوئی صاحبہ 'نجمہ صفی' کے نام سے عمران سیریز لکھ کر ابن صفی سے اپنی قریبی رشتہ داری ظاہر کرنے کی کوشش فرما رہی تھیں۔ غرض کرنل فریدی اور عمران کے کردار کی وہ مٹی پلید کی گئی کہ انھیں شرابی اور عورتوں کے پیچھے بھاگنے والا 'لوفر' بنا کر ہی چھوڑا۔

یہ طوفان بدتمیزی تین سال جاری رہنے کے بعد اُس وقت تھما، جب ابن صفی روبہ صحت ہو کر پھر سے اپنے قلم کا جادو جگانے لگے۔ سورج طلوع ہوتے ہی اندھیرے چھٹتے چلے گئے۔ ابن صفی کی صحت یابی کے بعد 25 نومبر 1963 کو عمران سیریز کا ناول 'ڈیڑھ متوالے' شایع ہوا۔ تین برس کے پیاسے دیوانہ وار ناول پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ناول کی ساری کاپیاں فروخت ہوگئیں۔ ہندوستان میں اس ناول کی تقریبِ رونمائی کی صدارت اُس وقت کے وزیرِ داخلہ لال بہادر شاستری نے کی تھی۔ انڈیا میں اس ناول کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس کی اشاعت کے ایک ہفتے بعد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن شایع کرنا پڑا۔ دوسری تقریب رونمائی کے مہمانِ خصوصی انڈیا کے صوبائی وزیرِ قانون علی ظہیر تھے۔ 'ڈیڑھ متوالے' کے دیباچے میں ابن صفی ایک طرف جعلی ابن صفیوں کا رونا روتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف حکیم محمد اقبال حسین کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جن کے علاج سے وہ صحت یاب ہوئے تھے۔

ابن صفی اچھے ادیب کے ساتھ اچھے باپ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے بچوں پر کبھی سختی نہیں برتی۔ کبھی کبھار چھٹی کے روز وہ بیٹوں کو اپنے ساتھ انگریزی فلم دکھانے سنیما لے جاتے اور اردو فلم کے لیے پوری فیملی کے لیے بکنگ کرواتے تھے۔ ان دنوں پی ٹی وی پر ویک اینڈ سنیما کے نام سے رات کو ایک انگریزی فلم دکھائی جاتی تھی۔ ابن صفی نہ صرف خود وہ فلم بڑے شوق سے دیکھتے تھے، بل کہ فلم شروع ہوتے ہی اپنے بچوں کو بھی آواز دے کر بلا لیا کرتے تھے۔ امتحانات کے دنوں میں بھی وہ اپنے بچوں کو ٹی وی دیکھنے یا ناول پڑھتا دیکھ کر خفا نہیں ہوتے تھے۔ احمد صفی کہتے ہیں، "ابو نے ہم پر سختی کرنے کا کام ہماری والدہ پر چھوڑ رکھا تھا۔ ایک دن والدہ نے ابو سے میری شکایت کردی کہ کل اس کا پرچہ ہے اور یہ آپ کا ناول پڑھ رہا ہے۔ میرے والد نے کہا کہ اگر میرے ناول پڑھنے سے بچوں کا نقصان ہوتا ہے تو سب سے پہلے میرے بچوں کا ہونا چاہیے۔"

احمد صفی کہتے ہیں کہ اگرچہ ہمارے والد نے ہم پر کبھی سختی یا مار پیٹ نہیں کی، اُن کا ہماری طرف غصے سے دیکھنا ہی کافی ہوتا تھا۔ ابن صفی کے بچوں نے بھی ان کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی۔ ان کے سارے بیٹے اور بیٹیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کام یاب زندگی گزار رہے ہیں۔

ابن صفی کے سات بچوں میں احمد صفی کا پانچواں نمبر ہے۔ پیشے کے اعتبار سے وہ مکینیکل انجینئر ہیں۔ امریکا میں 15 برس گزارنے کے بعد 2002 کے اواخر میں وطن واپس لوٹنے کے بعد وہ اپنے والد کی یادوں کو محفوظ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے www.ibnsafi.info کے نام سے ایک ویب سائٹ بھی بنائی ہے، جہاں ابن صفی اور ان کی کتابوں سے متعلق معلومات دست یاب ہیں۔ احمد صفی نے افسانے بھی لکھے ہیں اور وہ شاعری بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے والد کے دوست عباس حسینی کے بیٹے اعجاز حیدر رضوی کے اصرار پر عمران سیریز پر ناول لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ابن صفی کے قارئین میں ہر عمر اور طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے راشد اشرف کا شمار بھی ابن صفی کے

دیوانوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بھی ابن صفی سے متعلق ویب سائٹ کا اجرا کر کے اُن سے متعلق بہت سے یادوں کو محفوظ کیا ہوا ہے۔ ان کی ویب سائٹ کا نام www.wadi-e-urdu.com ہے۔ اس مضمون میں شایع ہونے والی ابن صفی کی نایاب تصویریں احمد صفی اور راشد اشرف کی ان ہی ویب سائٹوں سے لی گئی ہیں۔

سراغ رسانی کے اسرار و رموز سے واقف اور پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کے فن میں ابن صفی کی مہارت کا لوہا عام قارئین کے علاوہ عسکری اداروں سے وابستہ افراد بھی مانتے تھے۔ 1970 کے وسط میں 'انٹر سروسز انٹیلی جینس (ISI) میں بھرتی ہونے والے رنگروٹوں کی تربیت کے لیے ابن صفی کو بہ طور مہمان اسپیکر "سراغ رسانی کے طریقے" کے موضوع پر لیکچر دینے اسلام آباد مدعو کیا گیا تھا۔

ابن صفی نے اپنے کرداروں کو پیش کرتے وقت کبھی مبالغے سے کام نہیں لیا۔ گولی اور خنجر کے گھاؤ سے جس طرح عام انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح ان کے ہیرو بھی اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کرداروں کو کبھی اتنا بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا کہ ان پر سپر مین یا اسپائڈر مین کا گمان ہونے لگے۔ یہاں ابن صفی کے دو ناول 'ڈاکٹر دعا گو' اور 'پہاڑوں کے پیچھے' کا حوالہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ 'ڈاکٹر دعا گو' میں عمران کو بازو میں گولی لگنے کے بعد چکر سا آجاتا ہے اور اُسے علاج کی غرض سے اسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ ناول کے اختتام تک عمران کو گولی لگنے کی تکلیف کو وقفے وقفے سے بیان کیا گیا ہے۔ پہاڑوں کے پیچھے نامی ناول میں عمران ایک خاندان کے افراد کو متاثر کرنے کے لیے جھیل میں کود کر ہاتھ سے زندہ مچھلی پکڑنے کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ واقعہ بہ ظاہر محیر العقل لگتا ہے لیکن آگے چل کر عمران اپنے باڈی گارڈ جوزف سے اس واقعے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اُس نے رات کو ہی بازار سے زندہ مچھلیاں خرید کر اُسے جھیل کی تہ میں قید کر دیا تھا اور ان لوگوں کی فرمائش پر تہ نشین جال سے ایک ایک مچھلی نکال کر انھیں پیش کر دیا کرتا تھا۔

ابن صفی نے ریڈیو اور ٹی وی کے لیے ڈرامے بھی لکھے۔ ریڈیو پاکستان نے ایک قسط وار جاسوسی کھیل 'آوازوں کا جال' اُن سے لکھوایا تھا۔ اس کھیل میں فریدی کی بہ جائے صرف حمید کا کردار پیش کیا گیا تھا، بد قسمتی سے اس ڈرامے کا اسکرپٹ ریڈیو پاکستان کے پاس محفوظ نہیں رہا۔ ڈراما آرٹسٹ ایس ایم سلیم جنھوں نے پی ٹی وی کے 'منٹو راما' میں سعادت حسن منٹو کا کردار ادا کیا تھا، اس کھیل میں حمید بنے تھے۔ 1977 میں پی ٹی وی نے الیکشن نشریات کے لیے ابن صفی سے عمران سریز پر مبنی ڈراما سیریل 'ڈاکٹر دعا گو' لکھوایا تھا۔ ابن صفی کا اصرار تھا کہ عمران کا کردار محمد قوی خان سے کروایا جائے اور اس کی ڈرامائی تشکیل حمید کاشمیری کریں۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اس ڈرامے کے پروڈیوسر فیاض ہاشمی تھے۔ تاہم یہ ڈراما ٹی وی پر کبھی نشر نہ ہو سکا۔ ابن صفی نے اس بات پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اخبار میں ایک خط شایع کروایا تھا، جس میں انھوں نے پی ٹی وی کے بائی کاٹ کا اعلان کیا تھا۔ اس ڈرامے کی چھے اقساط لکھنے پر انھیں 2073 روپے کا چیک ملا تھا۔

اس ڈرامے کو ٹی وی پر نشر نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے احمد صفی کہتے ہیں، "ڈرامے میں پی ٹی وی والوں نے تھوڑا سا سیاسی رنگ شامل کر دیا تھا اور ڈرامے کے کچھ ڈائیلاگ حکومت کی حمایت میں کہلوائے گئے تھے۔ جب انتخابات قریب آئے تو پی ٹی وی کے اسٹاف کو ایسا لگا کہ شاید انتخابات میں موجودہ حکومت کام یاب نہ ہو سکے۔ چناں چہ انھوں نے یہ ڈراما نشر نہیں ہونے دیا۔"

ابن صفی عام زندگی میں انتہائی سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ رمضان کے پورے روزے رکھتے اور ناظم آباد نمبر دو میں واقع مسجد اقصیٰ میں عید کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ عید کی نماز سے پہلے ان کے قریبی رشتے دار ان کے گھر جمع ہوتے اور پھر چھوٹے بڑے سب مل کر راستے بھر بلند آواز میں تکبیریں پڑھتے ہوئے مسجد جاتے تھے۔ احمد صفی کے بقول دُعا کے وقت ابن صفی پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھیں۔

ابن صفی کو پاکستان ہجرت کرنے کا کوئی غم نہ تھا۔ ان کے نزدیک پاکستان ہی ان کا سب کچھ تھا۔ البتہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بیماری کی حالت میں وہ اکثر اپنے گاؤں 'نارا' اور وہاں کے دوستوں کو یاد کیا کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مرنے سے پہلے ایک بار انڈیا ہو آئیں۔ انھوں نے انڈیا میں اپنے دوست شکیل رحمانی کو خط میں لکھا تھا کہ اب اگر تم پاکستان آئے تو ہم سب ساتھ انڈیا جائیں گے۔ لیکن موت نے انھیں مہلت نہ دی۔ ستمبر 1979 میں انھیں پیٹ میں تکلیف محسوس ہوئی۔ تشخیص پر پتا چلا کہ انھیں لبلبے کا کینسر ہے۔ ابن صفی جن ڈاکٹروں کے زیر علاج رہے، ان میں ڈاکٹر سعید اختر زیدی، ڈاکٹر فخر الدین صدیقی، جنرل فزیشن ڈاکٹر رب اور کینسر اسپیشلسٹ ڈاکٹر سید حسین منظور زیدی شامل تھے۔ ان ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وہ شفایاب نہ ہو سکے اور آخری بار اپنے پرکھوں کی سرزمین دیکھنے کی خواہش دل میں لیے اپنے اہل خانہ اور کروڑوں پرستاروں کو سوگوار چھوڑ کر 28 جولائی 1980 کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

نام ور ناول نگار رائیڈر ہیگرڈ کے ناولوں پر انگریزی ادب کے بعض نقادوں نے سخت تنقید کی ہے۔ آگسٹس مور نے یہاں تک لکھا، "خدا انگریزی ادب پر رحم کرے۔ انگریزی عوام ناول کی کم زوریوں سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ ڈی فو، سوئفٹ اور چارلس ریڈ کو بھی مسٹر ہیگرڈ کے عامیانہ ناولوں کے مقابلے میں اہمیت نہیں دی جاتی۔" پھر بھی رائیڈر ہیگرڈ تھا، جس کے ناول بعد ازاں کروڑوں کی تعداد میں شایع ہوئے۔ اُس کے ناول "شی" کی اب تک آٹھ کروڑ بتیس لاکھ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں اور آج بھی مختلف زبانوں میں اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اردو کے نام نہاد نقادوں نے ابن صفی کے ساتھ بھی یہی رویہ اپنائے رکھا۔ ان نقادوں نے انھیں بڑے ادیب کے طور پر کبھی تسلیم نہیں کیا اور عمر بھر اپنے ہی 'ادب عالیہ' کا ڈھول پیٹتے رہے اور چھپ کر ابن صفی کے ناولوں سے 'استفادہ' بھی کرتے رہے۔ بُرا ہو ابن صفی کے ان لاکھوں چاہنے والوں کا، جنھوں نے انھیں مقبولیت کے بام عروج پر پہنچا کر ان نام نہاد نقادوں کے منہ بند کر دیے۔ اس بلند پایہ ادیب کے کام کو سرکاری سطح پر ان کے شایانِ شان نہیں سراہا گیا اور بعد از مرگ اگست 1997 میں صرف صوبائی سطح کے 'اسپیکر ایوارڈ' سے نوازا گیا، جسے اُن کے مرحوم بیٹے ڈاکٹر ایثار صفی نے وصول کیا۔ پاکستان کی وزارت اطلاعات کے ادب سے بے بہرہ لوگوں کو کبھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ابن صفی کو ان کی زندگی میں یا بعد از مرگ پرائیڈ آف پرفارمینس یا اس پائے کے کسی بڑے اعزاز سے نوازتے۔ بہر حال ایوارڈ نہ ملنے کے باوجود اس عوامی مصنف کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ایوارڈ کا نہ ملنا ابن صفی کی بد نصیبی نہیں، بل کہ بد نصیب وہ ایوارڈ ہے جس کے نصیب میں کوئی ابن صفی نہیں ہے۔ ■